حافظ صلاح الدین یوسف

آہ — مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ

مولانا محمد حنیف ندوی، جن کا انتقال بعمر ۷۹ سال ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء (۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ) کو لاہور میں ہوا، اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ادب و انشا کے اعتبار سے ایک نادرۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے۔

مولانا موصوف کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا، ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم کے تلمیذ رشید تھے۔ پھر مولانا ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہند) تشریف لے گئے اور بقیہ تعلیم وہاں مکمل کی۔ ندوے کی تعلیم و تربیت سے ان کی علمی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا، ان کی ذہنی وسعتوں میں اضافہ ہوا اور فکر و نظر کی بنیادیں اُستوار ہوئیں۔

ندوے سے فراغت کے بعد مولانا مرحوم نے اپنی علمی سرگرمیوں کے لیے لاہور جیسے گہوارۂ علم و ادب کو منتخب کیا۔ مسجد مبارک اہل حدیث ریلوے روڈ لاہور میں باقاعدہ درسِ قرآن اور خطبۂ جمعہ کا آغاز کیا اور بہت جلد لاہور کے علمی حلقے میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ اگرچہ اُس وقت مولانا احمد علی لاہوری (شیرانوالہ گیٹ) لاہور، مولانا محمد علی لاہوری مرزائی اور مولانا غلام مرشد کے دروسِ قرآن کی بڑی شہرت اور چرچے تھے، اور ان کی موجودگی میں کسی اور کے درس کا چراغ جلنا بڑا مشکل تھا۔ لیکن مولانا مرحوم علم و مطالعہ کی وسعت اور دلچسپ اور موثر اندازِ بیان کی وجہ سے بڑے کامیاب رہے اور ان کے درس میں لاہور کے چیدہ چیدہ اہل علم، طلبا و وکلا اور دین و دانش سے بہرہ ور حلقہ روز افزوں رہا۔ سکتے ہیں کہ چار مرتبہ انھوں نے درس میں قرآن پاک مکمل کیا۔ درس بڑی محنت اور مطالعے کے بعد دیتے اور قرآنی علوم و معارف اور دقائق و حقائق کو خوب خوب بیان کرتے۔ اس درس اور مطالعے نے اُن پر اسرارِ شریعت کے دریچے وا کر دیے اور وہ قرآنِ حکیم کے اسرار و حکم بڑے پُر اعتماد اور دل نشیں پیرایۂ بیان میں واضح فرماتے۔

منطق و فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا، اور طبقۂ علما میں وہ اس لحاظ سے ایک نہایت ممتاز مقام کے حامل تھے۔ فکرِ قرآنی منطق و فلسفہ کی زبان اور عقلی دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح وہ بیان کرتے

پر قادر تھے، اس میں ان کے ہم عصروں میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کر سکتے تھے۔

ادب و انشا کا بھی بہت اعلیٰ ذوق اللہ تعالیٰ نے ان کو ودیعت کیا تھا، وہ اردو کے صاحبِ طرز ادیب و انشا پرداز تھے۔ اگرچہ ان کے اسلوبِ تحریر پر ابوالکلامی رنگ کی چھاپ نمایاں تھی تاہم اس میں ان کی اپنی انفرادیت بھی قائم تھی۔ مشکل سے مشکل مضمون اور ادق سے ادق موضوع کو وہ اپنے اسلوبِ بیان کی سحر طرازی سے بڑا آسان اور شگفتہ بنا دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف اگرچہ خالص علمی موضوعات پر ہیں لیکن ان میں ان کے قلم کی ندرت کاری نے ایسے بیل بوٹے سجائے ہیں کہ قاری کو کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کے حسنِ انشا کی سحر انگیزی اور قلم کی معجز نگاری میں کھو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فضل کی بے کرانی کے ساتھ فکر و نظر کی وسعتوں سے نوازا تھا اور زبان و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں کے وہ مالک تھے۔ علاوہ ازیں جدید علمی فتنوں سے براہِ راست انھیں آگاہی حاصل تھی، ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے وہ اپنے دور کے بہترین متکلم تھے۔ وہ جدید فلسفوں اور نظریوں کی تردید اور ان کے مقابلے میں اسلامی نظام و تہذیب کی برتری کے اثبات کے لیے متکلمانہ فکر و ذہن، زورِ دار اور دل نشین اسلوبِ بیان اور قوتِ استدلال و استنباط سے پورے طور پر بہرہ ور تھے۔ اس موضوع کو جب بھی انھوں نے اپنے فکر و نظر کا محور اور نقد و تحقیق کی جولان گاہ بنایا ہے تو صفحاتِ قرطاس پر بالعموم لولوئے لالہ بکھیرتے چلے گئے ہیں اور اپنے سحر نگار قلم سے عقلی و نقلی دلائل کا ایسا دبستان سجایا ہے کہ اس کے گلگشت سے کشتِ ایمان لہلہا اٹھتی ہے۔

مولانا موصوف ہفت روزہ "الاعتصام" کے ابتدائی چند سال مدیر بھی رہے، جب وہ گوجرانوالہ سے نکلتا تھا۔ اُس وقت پاکستان میں جماعت اہلِ حدیث کا یہ واحد ترجمان تھا۔ اس کے ذریعے سے مولانا ندوی مرحوم نے اہلِ حدیث کے مسلک اور ان کی فکر و دعوت کو بڑے زوردار انداز سے پیش فرمایا اور یوں ملک میں اہل حدیث کے امتیازی تشخص کو نمایاں کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ اس کے بعد وہ ۱۹۵۱ء میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے اور تا دمِ واپسیں اس ادارے سے ان کا تعلق قائم رہا۔ تصنیف و تالیف کا جتنا کام انھوں نے کیا، زیادہ تر اسی ادارے میں کیا۔ اگرچہ ان کی ذہنی بنیادیں ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی سے قبل ہی اُستوار ہو چکی تھیں، لیکن ان کو مزید نکھارنے اور اجالنے میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے رفقائے گرامی اور خود ادارہ کی ہیئتِ ترکیبی نے بھی اپنا کردار ادا کیا، جس کی وجہ

سے سلفیت کے ساتھ ساتھ جدیدیت بھی ان کے افکار میں نمایاں رہی ۔

ان کی کوشش رہی کہ سلفی تعبیر اور جدید تعبیر میں ایسا امتزاج پیدا کیا جائے کہ علما کے حلقے میں جدید افکار راہ پا سکیں اور جدید طبقے میں سلفی تعبیر کے لیے کچھ گنجائش پیدا ہو سکے ۔ یہ کوشش کیسی ہے؟ اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب رہے؟ یہ بات تفصیل طلب ہے جس کی اس وقت گنجائش نہیں ۔

بہر حال انھوں نے بھرپور زندگی گزاری، علم و ادب اور فکر و فلسفہ میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی ۔

ان کی شخصیت بھی نہایت دل آویز تھی جو آسانی سے بھلائی جانے والی نہیں ۔ پنجابی ہونے کے باوجود ہمیشہ مخصوص لکھنوی لباس پہنتے، شگفتہ اور سلیس اردو میں گفتگو فرماتے ع

ان کی باتوں میں گلوں کی مہک

کے مصداق فی الواقع زبان میں بڑی فصاحت و بلاغت، شستگی و روانی اور گلوں کی سی طراوت تھی۔ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان جس طرح وہ بولتے تھے بہت کم لوگوں کو دیکھا گیا ہے ۔ بڑے ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھے، عالمانہ متانت کے ساتھ ایسی بذلہ سنجی اور باغ و بہار شخصیت کے حامل شاذ شاذ ہی ہوتے ہیں ۔ رکھ رکھاؤ اور وضع داری کا بہترین نمونہ تھے ۔ اپنے ہم عصر علما کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و پیار اور ان کی حوصلہ افزائی بھی دل کھول کر کرتے ۔ طبیعت میں ادّعا کی بجائے انکسار تھا، تحمل، وقار اور بردباری کا پہاڑ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ علمی وجاہت اور مردانہ حسن و جمال کا ایک پیکرِ رعنا ۔ آہ سچ ہے ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

فکر و نظر کی وسعتوں اور ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستگی کی وجہ سے ان کی علمی سرگرمیاں تو ایک مخصوص جماعتی دائرے کی بجائے، ع

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

کے مطابق، زیادہ وسیع دائرے میں پھیلی رہیں ۔ لیکن اس کے باوجود جماعت سے ان کی ذہنی و قلبی وابستگی میں کبھی فرق نہیں آیا ۔ جماعت کے اکابر علما سے ان کے خصوصی مراسم بھی قائم رہے ۔ حسب مراتب ان سے ملاقات کا بھی اہتمام فرماتے رہے ۔ جماعتی اجتماعات اور خصوصی میٹنگوں میں بھی برابر شریک ہوتے رہے ۔ بلکہ متعدد مواقع پر جماعت کی بڑی بڑی کانفرنسوں میں خطبۂ صدارت یا خطبۂ استقبالیہ کی صورت میں

جماعت کے مسلک و منہاج کو بڑے مدلّل، دل نشین اور مؤثر پیرائے میں بیان فرمایا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

علاوہ ازیں جماعت کے تنظیمی اختلافات میں اگرچہ ذہناً اُن کا جھکاؤ پُرانی مرکزی جمعیت اہل حدیث کی طرف رہا، کیونکہ وہ خود بھی اس کے بانی ارکان میں سے تھے۔ تاہم یہ ان کی وضع داری تھی کہ انھوں نے اس کے باوجود اپنے تعلقات سب سے قائم رکھے اور جس نے بھی اُنھیں بُلایا، وہاں پہنچ گئے اور کسی ایک ہی دھڑے سے وابستہ ہو کر نہیں رہے۔

بہر حال مولانا مرحوم اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی قدروں کے بھی حامل تھے۔ علم و عمل کا ایک پیکرِ جمیل اور قدیم و جدید کا ایک حسین امتزاج اور سنگھم تھے۔ ان کی وفات سے یہاں ایک طرف بہت بڑا علمی خلا پیدا ہوا ہے، وہاں دوسری طرف ایک پیکرِ انسانیت سے بھی ہم محروم ہو گئے ہیں۔ آہ ؏

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اپنی چادرِ رحمت و مغفرت میں اُنھیں ڈھانپ لے۔ غفر اللہ لہ ورحمہ وبرد مضجعہ۔

(تنظیم اہلِ حدیث، لاہور۔ ۳۱۔ جولائی ۱۹۸۷ء)